

## اختلافِ امت سے متعلقہ احادیث کی روشنی میں راہِ حق کی تعیین ایک تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ

*The difference in Umm'ah in the light of the relevant traditions  
and the configuration of the righteous path  
A scholarly and critical review*

\* ضیاء الحق  
\*\* عبدالرحمن

### Abstract:

*a great deal of research work has been done upon the differences present in the Muslim Umm'ah and for its dissolution. Hence, scholars like Ashari, Baghdadi, Ibn al- Hazm and Shehristani has produced great critical and analytical studies, however the sect proclaiming on "Rah-e -Haq" (the truly guided path) needs critical review. In this article, a scholarly analysis and estimation of the "Rah-e-Haq" sect (the guided ones) is being attempted in the light of the relevant traditions.*

امت مسلمہ میں اختلاف اور اس کے حل کے حوالے سے متعدد کاوشیں کی جا چکی ہیں چنانچہ اس موضوع پر اشعری، بغدادی، اسفرائینی، شہرستانی اور ابن حزم جیسے اکابر علمائے متکلمین نے بہت ہی مفصل گفتگو کی ہے، فرقہ بندی کے تناظر میں اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو امت مسلمہ اس حوالے سے منفرد نہیں بلکہ اس سے پہلے یہود و نصاریٰ میں فرقہ بندی اپنے زوروں پر رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (افترت الیہود علی احدی وسبعین فرقة والنصاری مثل ذالک، وتفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقة)<sup>۱</sup>

یہ حدیث مبارک اگرچہ مختلف امتوں کے حوالے سے اپنے مدعی کے اعتبار سے محل خلاف نہیں، کیونکہ مقصود اس سے مختلف امتوں کے درمیان پیدا ہونے والے افتراق و انتشار کو بیان کرنا ہے تاہم اسی

<sup>۱</sup> پیکر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی۔

<sup>۲</sup> پی۔ ایچ۔ ڈبلیو ریسرچ سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، یونیورسٹی آف پشاور

حدیث کے بعض دوسری طرق کے حوالے سے مسلم دنیا میں شدید مغالطہ پیدا ہوا جن میں ۷۲ فرقوں کے جہنمی ہونے کا اضافہ موجود ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیأتین علی امتی ما أتى علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل، حتی إن کان منہم من أتى أمہ علانیة، لکان فی امتی من یصنع ذالک، وإن بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملة، وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة، کلہم فی النار إلا ملة واحدة، قالوا: من ہی یارسول اللہ؟ قال: ما أنا علیہ وأصحابی<sup>۲</sup>۔ چنانچہ ہر ایک فرقہ نے خود کو ناجی قرار دے کر دوسرے فرقوں پر فتوے لگانے شروع کر دیئے۔ اور یوں اسلامی فرقوں کے مابین افتراق و انتشار کی خلیج مزید وسیع ہوتی گئی، اور آہستہ آہستہ پورا عالم اسلام مذہب کے نام پر مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا۔

امتِ مسلمہ میں انتشار کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے ہوئی اور اس کے فوراً بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شیعہ اور خوارج جیسے فرقے سامنے آئے، ساتھ ہی یہ سیاسی مسئلہ مذہبی رخ اختیار کر گیا۔ اور مرکتب کبیرہ اور امامت جیسے مسائل میں مناظرہ و مجادلہ شروع ہو گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ہر فرقے نے اپنے اجماع کو اپنے متبعین کے لیے حجت قرار دیا اور دوسرے فرقوں کو اسی اجماع کا منکر قرار دے کر کفر کے فتوے جاری کئے جانے لگے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر اختلافِ امت سے متعلق روایات پر ایک تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالنا بہت ضروری ہے تاکہ امتِ مسلمہ کے درمیان اتفاق و اتحاد اور مذہبی رواداری کی فضاء قائم کی جاسکے۔

### افتراقِ امت والی روایات کا علمی جائزہ:

افتراقِ امت والی حدیث دراصل کئی طرق سے روایت کی گئی ہے۔ جس میں ایک روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جسے ہم نے مقدمے میں ذکر کر دیا۔ البتہ بعض روایات کے اندر ان فرقوں کی انجام کا تذکرہ ہے۔ اس قسم کی روایات حضرت معاویہ بن ابی سفیان، عوف بن مالک اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہیں اور تمام اصحابِ سنن نے ان کی تخریج کی ہے۔ ذیل میں ہم اس قسم کی بعض روایات ذکر کرتے ہیں:

۱. عن أبي عامر الهوزني عن معاوية أنه قام فينا فقال: ألا إن رسول الله صلي الله عليه وسلم قام فينا فقال: ألا إن من قبلكم من أهل الكتاب افترقوا علي ثنتين وسبعين ملة وإن هذه الامة ستفترق علي ثلاث وسبعين، ثنتان وسبعون في النار وواحدة في الجنة وهي الجماعة.<sup>۳</sup>

ترجمہ: عامر ہوزنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ ہمارے درمیان کھڑے ہو گئے اور فرمایا: سن لو! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر یہ فرمایا تھا: خبردار! تم سے پہلے اہل کتاب ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں سے ۷۲ فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنتی ہوگا جو کہ جماعت ہے۔

۲. عن عوف بن مالك قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "افتقرت اليهود على إحدى وسبعين فرقة فواحدة في الجنة وسبعون في النار، وافتقرت النصارى على ثنتين وسبعين فرقة فإحدى وسبعون في النار وواحدة في الجنة، والذي نفس محمد بيده لتفتقرن أمتي على ثلاث وسبعين فرقة واحدة في الجنة وثلثان وسبعون في النار، قيل يا رسول الله من هم؟ قال الجماعة."

ترجمہ: عوف بن مالک سے روایت ہے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود ۷۱ فرقوں میں بٹ گئے جن میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور ۷۰ جہنم میں اور نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے جن میں ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی ۷۱ جہنم میں جائیں گے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی ۷۲ فرقے جہنم میں، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ: وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ فرمایا: وہ فرقہ جماعت والا فرقہ ہوگا۔

۳. عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن بني إسرائيل افتقرت على إحدى وسبعين فرقة وإن أمتي ستفتقر على اثنتين وسبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة وهي الجماعة.

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل ۷۱ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت ۷۲ فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ اور وہ جماعت والا فرقہ ہوگا۔

مذکورہ روایات کو اگر دیکھا جائے تو صحیحین میں اس قسم کی کسی روایت کا ذکر نہیں ملتا البتہ حاکم نے مستدرک میں حدیث ابی ہریرہ کو مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور اس کے بعد حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ کو ما قبل کے لیے بطور شاہد کے پیش کیا ہے۔<sup>۱</sup> اسی طرح ابن تیمیہ اس حدیث کے حوالے سے:

الحدیث صحیح مشہور فی السنن والمسائید کہہ کر اس کی توثیق کی ہے اور ابن کثیر درج بالا روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: حدیث معاویۃ إسنادہ حسن و حدیث عوف اسنادہ لا بأس بہ و حدیث انس إسنادہ جید قوي علي شرط الصحيحين.<sup>۹</sup>

تاہم دوسرے بعض محققین کی طرف سے اس حدیث کی سند اور متن پر کئی لحاظ سے اعتراض کیا گیا ہے، جہاں تک اس حدیث کے متن کا تعلق ہے تو اس میں مذکور فرقوں کی تعداد کے حوالے سے کافی اختلاف واقع ہوا ہے چنانچہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

وطعن بعضهم في صحة هذا الخبر فقال: إن أراد بالثنتين وسبعين فرقة أصول الأديان فلم يبلغ هذا القدر وإن أراد الفروع تتجاوز هذا القدر إلى أضعاف ذلك.<sup>۹</sup>

یعنی بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر ۷۲ فرقوں سے مراد وہ فرقے ہوں جن کے مابین اصولی اختلاف ہے تو اسلامی فرقوں کی تعداد اس سے کافی کم ہے اور اگر فروعی اختلافات والے فرقے مراد ہوں تو ان کی تعداد اس سے دگنی ہے۔

عصر حاضر کے محققین میں ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے اس کے عدم قبولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ مستقبل میں بننے والے فرقوں کی تعداد کے بارے میں پیش گوئی کر سکے اور اسی طرح دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مدون ہونے والے احادیث کے مجموعوں میں اس حدیث کا تذکرہ بھی کہیں نہیں ملتا۔<sup>۱۰</sup>

تاہم ڈاکٹر بدوی کا یہ کہنا محل نظر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ آپ ﷺ فرقوں کی تعداد کے بارے میں کوئی پیش گوئی کر سکیں حالانکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ وحی کی روشنی میں پیش گوئی کرتے ہیں، اگر کسی نبی میں خبر دینے کی قدرت ہی نہیں تو ہم انہیں نبی کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ جہاں تک ڈاکٹر صاحب کا دوسرا نکتہ ہے، تو یہ بھی علمی لحاظ سے درست نہیں، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی اور امام احمد کے اس حدیث کو تخریج کرنے کے بعد یہ کہنا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مجموعہ احادیث میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، یقیناً ایک شدید علمی مغالطہ ہے۔

اس حوالے سے قابل قبول نظریہ یہی بنتا ہے کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ تمام بجا حدیثین کے ہاں ایک مقبول اور متداول حدیث ہے تاہم جن روایات کے اندر (کلہا فی النار الا واحدة) کی زیادتی موجود ہے تو یہ زیادتی دراصل اللہ تبارک و تعالیٰ کے شانِ کرمی سے متصادم ہے اور ان تمام نصوص سے متعارض ہے جن کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت بے کراں کا تذکرہ ہے۔ لہذا اس اضافے کی زیادہ

مناسب توجیہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ اور ارجح فی المتن ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی دور میں جماعت کا مفہوم سیاسی پیرائے میں استعمال ہونے لگا تھا تو اس وجہ سے شاید اس وقت کے سیاسی حالات کی وجہ سے حدیث میں یہ زیادتی متداول ہوئی۔ تاہم جہاں تک ابن زبیر نے اس حدیث کے ایک راوی کو ناصبی کہہ کر اس کی صحت کا انکار کیا ہے تو یہ بات اس لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس صورت میں خود شیعہ حضرات بھی طعن سے نہیں بچ سکتے، جیسا کہ بقول ابن الجوزی فضائل کے باب میں حدیث گھڑنے کے اصل مؤجدین خود شیعہ حضرات ہیں، جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ کی فضیلت میں احادیث گھڑنے کی ابتداء کی، چنانچہ جب مخالفین نے دیکھا کہ ان کے خلاف احادیث گھڑنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے تو انہوں نے بھی اس کے رد عمل میں احادیث گھڑ لیں۔"

اختلاف محمود اور اختلاف مذموم:

اختلاف امت کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں، اصولی اختلاف اور فروعی اختلاف، تاہم حدیث کی رو سے اگر دیکھا جائے تو فروعی اختلاف کو رحمت کا درجہ دیا گیا ہے تاہم اگر اختلاف اصول و عقائد میں ہو جائے تو یقیناً یہ ایک مذموم اور ناقابل قبول صورت بن جاتی ہے۔ اختلاف امت کے حوالے سے وارد شدہ روایات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کے اندر دو قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، کہیں پر لفظ ملأ آیا ہے اور کہیں پر فرقة کا لفظ مذکور ہے۔ جس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اختلاف مذموم اس صورت میں ہو سکتا ہے، جب دین اور ملت میں پیدا ہو جائے۔ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں:

إن الافتراق المحذر منه في الآية والحديث إنما هو في أصول الدين وقواعده، لأنه قد أطلق عليها ملأ وأخبر أن التمسك بشيء من تلك الملل موجب لدخول النار ومثل هذا لا يقال في الفروع.<sup>۱۲</sup>

یعنی آیت کریمہ کے اندر مذموم اختلاف وہی ہے جو اصول دین اور اسلام کے بنیادی عقائد میں ہو کیونکہ اس پر لفظ ملأ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان اصولی اختلاف کے نتیجے میں بننے والے فرقوں کا حصہ بن جانا جہنم کا موجب ہے اور ظاہر ہے یہ بات فروعی اختلاف کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔  
فخر الدین رازی لکھتا ہے:

المراد من الدين ما لا يختلفون فيه من معرفة ذات الله سبحانه وتعالى وصفاته وأما

الشرائع فإن الاختلاف فيها لا يسمى اختلافا في الدين.<sup>۱۳</sup>

یعنی دین میں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات کے حوالے سے ہو جہاں تک شرائع میں اختلاف کی بات ہے تو اس کو دین میں اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔ ان اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فروعی مسائل کے اندر اختلاف کوئی مذموم چیز نہیں ہے اور جب تک فروعی مسائل میں اختلاف تعصب اور منافرت کی حد تک نہ چلا جائے، ایک سود مند چیز رہتی ہے جس طرح کہ فقہائے اربعہ کے مابین اختلاف محض نقطہ نظر اور علمی قسم کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ اور وہ اختلاف جو عقیدے کی بنیاد پر ہو اور جنگ و جدل تک لے جائے جیسے مسئلہ امامت، تو وہ یقیناً ایک مذموم چیز ہے۔ اس حوالے شہرستانی لکھتا ہے:

وأعظم خلاف بين الأمة خلاف الإمامة، إذ ما سل سيف في الاسلام علي قاعدة دينية مثل ما سل علي الإمامة في كل زمان.<sup>۱۴</sup>

یعنی امت مسلمہ میں سب سے بڑا اختلاف امامت کے مسئلے پر ہے، کیونکہ ہر زمانے میں امامت کے مسئلے پر نوبت تلوار تک جا پہنچی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست سے خروج کرنے والوں کو احادیث میں قتل کرنے حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ اسلامی ریاست کے خلاف خروج کریں تو گویا انہوں نے اسلام کی چادر اتار دی اور اگر وہ اسی پر مریں تو جاہلیت کی موت مریں گے۔ حدیث میں وارد فرقوں کی تعداد کا مسئلہ:

بعض لوگوں کو حدیث میں مذکور فرقوں کی تعداد کے حوالے سے اشکال پیدا ہوا چنانچہ ان میں سے بعض نے اسی کو بنیاد بنا کر اس حدیث کی صحت کا انکار کر دیا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آیا حدیث کے اندر فرقوں کی یہ تعداد حصری ہے یا بلحاظ کثرت انہیں اس اسلوب میں بیان کیا گیا ہے؟

تو اس حوالے سے قدیم علمائے کلام کی عبارات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں عدد بذات خود مقصود ہے، اور حصر کا فائدہ دے رہا ہے، اس لیے انہوں نے اسلامی فرقوں کو ترتیب وار ذکر کر کے ان کی تعداد ۷۳ تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ بغدادی اپنی کتاب (الفرق بین الفرق) میں رقم طراز ہیں:

عشرون روافض، وعشرون خوارج، وعشرون قدرية، وعشر مرجئة، وثلاث نجارية و بكرية و جهمية وكرامية، فهذه ثنتان وسبعون فرقة، وأما الفرقة الثالثة والسبعون فهي اهل السنة

یعنی گمراہ فرقوں میں بیس روافض کے فرقے ہیں، بیس خوارج، بیس قدری، دس مرجئہ اور تین نجاریہ، بکریتہ، جسمیہ اور کرامیہ کے فرقے ہیں۔ تو یہ کل ۷۲ فرقے بن گئے اور تریسترواں فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ گنتی فرقوں کی تعداد کے اعتبار سے درج بالا روایات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ اس مرحلے میں اسفرائی اپنی کتاب "التبصیر فی الدین" میں درج بالا فرقوں میں عدد کی تصحیح کرنے کو شش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الروافض عشرون، والخوارج عشرون، والقدریة عشرون والمرجئة سبع والنجارية خمس

فهذه اثنتان وسبعون فرقة أما الثالثة والسبعون فهي أهل السنة والجماعة ۱۶.

یعنی روافض کے بیس فرقے ہیں، خوارج کے بیس، قدریہ کے بیس، مرجئہ کے سات اور نجاریہ کے پانچ فرقے ہیں، یہ کل ۷۲ فرقے ہوئے اور تریسترواں فرقہ اہل السنۃ والجماعت ہے۔

البتہ قرونِ اولیٰ میں فرقوں میں اس طرح حصر قائم کرنا درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس زمانے کے بڑے فرقوں نے چھوٹے فرقوں کو اپنی رائے پر قائل کرنے کے لیے قدرے تعسف سے کام لیا تھا، اور ساتھ ساتھ یہ تاریخ فرق کا ابتدائی دور بھی تھا، تو اس دور میں فرقوں کی اس طور پر درجہ بندی کرنا صحیح نہیں۔ اس وجہ سے زیادہ مناسب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں پر حدیث میں فرقوں کی تعداد کا ذکر بلحاظ کثرت ہے، اور درج بالا وجوہ کی وجہ سے ان کی تعداد میں حصر قائم کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ مختلف نصوصِ شرعیہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تکثیر کو بیان کرنے کے لیے عدد کو اسی اسلوب کے ساتھ کئی مقامات پر لایا گیا ہے۔ ذیل میں قرآن پاک سے اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

۱. (استغفرلہم أو لا تستغفرلہم أن تستغفرلہم سبعین مرة فلن یغفر اللہ لہم) ۱۷.

۲. (ثم فی سلسلۃ ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوه) ۱۸.

۳. (مثل الذین ینفقون أموالہم کمثل حبة أنبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائة حبة واللہ

یضاعف لمن یشاء واللہ سمیع علیم) ۱۹.

ان تمام آیات کے اندر عدد کا ذکر کثرت کو بیان کرنے کے لیے وارد ہوا ہے نہ کہ حصر کے لیے ہے۔ اسی طرح احادیث کے اندر بھی تکثیر کو بیان کرنے کے لیے مبالغتہ عدد کو مختلف مقامات پر لایا گیا ہے۔ جس کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱. (الرباء سبعون حوبا أیسرها أن ینکح الرجل أمه) ۲۰.

۲. (الایمان بضع وسبعون شعبۃ)۔<sup>۲۱</sup>

اس بات میں اب یقیناً شک کی گنجائش نہیں رہی کہ اس قسم کے نصوص میں عدد کا تذکرہ محاورۃ کثرت کو بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اس کی رو سے حدیث کے اندر عدد کو موضوع بحث بنانا قطعاً درست معلوم نہیں ہوتا۔

فرقہ ناجیہ کے حوالے سے اختلاف :

اختلافِ امت کے حوالے سے وارد شدہ روایات کا اگر تتبع کیا جائے، تو راہِ حق پر قائم فرقہ کو کئی اوصاف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے، کہیں اسے فرقہ کہا گیا اور کہیں اسے طائفۃ کہا گیا اور بعض مقامات پر اسے جماعت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ البتہ یہاں پر چونکہ ہمارا مقصود ناجی فرقہ کی تعیین میں ہے، اس لیے ان اوصاف کے ساتھ بحث کرنا ضروری نہیں۔

جہاں تک ناجی فرقہ کے مصداق کا تعلق ہے، تو اس کی تعیین میں انتہائی شدید قسم کا اختلاف ہے، اور اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ ہر فرقے نے اس حدیث کی تشریح میں اپنے نظریے اور نقطہ نظر کو سامنے رکھا۔ اور خود کو اس فرقے کا مصداق قرار دیا۔ چنانچہ اہل سنت خود کو ناجی فرقہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ ما قبل میں بغدادی اور اسفرائینی کے کلام سے واضح ہوا، اسی طرح اہل سنت پر جماعت کا اطلاق اسے کثرت سے ہونے لگا کہ یہ ان کے نام بھی حصہ بن گیا اور اہل سنت والجماعت میں تبدیل ہو گیا۔

امامی شیعہ بھی ناجی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے دلیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درج ذیل قول منسوب کرتے ہیں :

"وأما الفرقة الناجية المهديّة المؤمّلة المؤمنة المسلمة الموافقة المرشدة فهي المؤتمّة بي، المسلمة لأمري، المطيعة لي، المتبرئة لعدوي".<sup>۲۲</sup>

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نجات پانے والا، ہدایت یافتہ، خوش امید، مومن، مسلمان، موافقت کرنے والا اور ہدایت دینے والا فرقہ وہ ہے جو مجھے امام تسلیم کرے، میرا حکم تسلیم کرے، میری اطاعت کرے اور میرے دشمن سے برائت کا اظہار کرے۔

دوسری طرف معتزلہ خود کو اہل عدل و توحید قرار دیتے ہیں اور دوسرے فرقوں کی تکفیر کرتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے اہل سنت کو بھی مشبہ قرار دیا۔ خوارج بھی خود کو اہل حق اور ناجی سمجھتے ہیں، اگرچہ ہمارے نزدیک وہ خوارج ہیں۔



اب چونکہ یہاں پر ان مختلف فرقوں کے نقطہ ہائے نظر کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے ہم ناجی فرقہ کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کے موقف کے بیان پر اکتفاء کریں گے۔

ناجی فرقہ کے حوالے سے خود اہل سنت والجماعت کے بعض طوائف کے درمیان اختلاف ہے، اور مختلف علماء نے مختلف طوائف کے لوگوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، ذیل میں ہم اس کی کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں۔

### ۱. اہل علم کی جماعت :

اہل سنت میں بعض علماء جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں، اہل علم کو ناجی فرقہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں :

" لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين علي الحق يقاتلون، وهم أهم العلم " ۲۲

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری امت میں حق کے لیے لڑنے والی کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی اور وہ اہل علم کی جماعت ہے۔

جمہور اصولی حضرات کی عبارات بھی اس رائے کی غمازی کرتے دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ اجماع کی تعریف میں جماعت کے لفظ کو واضح کرتے ہوئے امام غزالی کہتے ہیں :

" الاجماع عبارة عن اتفاق اهل الحل والعقد " ۲۳ یعنی اجماع اہل حل و عقد کے متفق ہونے پر قائم

ہوتا ہے، تو ظاہر ہے اہل حل و عقد اہل علم ہی ہو سکتے ہیں۔

### ۲. اہل حدیث کی جماعت :

اہل حدیث بھی چونکہ اہل علم ہی ہیں تو ان کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت بہر حال نہیں تھی، تاہم چونکہ اہل حدیث حضرات کا اس حوالے سے بڑا اصرار ہے کہ ناجی فرقہ سے مراد صرف وہی ہیں تو اس وجہ مستقل ان کو ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ جب احمد بن حنبل سے ایک دفعہ فرقہ ناجیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انھوں نے کہا: (ان لم یكونوا أهل الحدیث فلا أدري من هم؟) یعنی اگر ناجی فرقہ سے مراد اہل حدیث نہ ہو تو پتہ نہیں، ان سے پھر کون مراد ہوگا۔ گویا کہ امام احمد نے اس سوال پر تعجب کا اظہار کیا کہ اہل حدیث کے ہوتے ہوئے بھی کوئی دوسرا ناجی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے! قاضی عیاض امام احمد بن حنبل کے اس کلام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (انما إراد احمد بن حنبل اہل

السنة والجماعة من يعتقد مذهب اهل الحديث) ۲۵۔ یعنی امام احمد بن حنبل کی مراد اہل سنت والجماعت ہیں جو مذہب اہل حدیث کی تقلید کرتے ہیں۔

امام بخاری کے استاذ علی بن مدینی کا میلان بھی اس طرف دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے حدیث "لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق" ۲۶ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں "ہم اہل الحدیث" یعنی طائفہ سے مراد اہل حدیث کی جماعت ہے۔ ابن مدینی کے بعد ابن تیمیہ بھی اس موقف کی پرزور الفاظ میں تائید کرتے ہوئے نظر آئے۔

لکھتے ہیں: إن أحق الناس بأن تكون هي الفرقة الناجية أهل الحديث والسنة الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له الا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم أعلم الناس بأقواله وأحواله وأعظمهم تمييزا بين صحيحها وسقيمها" ۲۷

یعنی ناجی ہونے کا سب سے زیادہ حقدار اہل حدیث و سنت ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو اپنا مقتدا نہیں سمجھتے اور وہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو سمجھنے اور ان کے درمیان صحیح اور سقیم کی پہچان میں سب سے زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔

۳۔ صحابہ کرام کی جماعت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناجی فرقہ سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے۔ فرماتے ہیں:

"من كان منكم مستنًا فليستن بمن قد مات فإن الحي لا يؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد، كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبا، وأعمقها علما، وأقلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه وإقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم في آثارهم وتمسكوا بمن استطعتم من أخلاقهم ودينهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم" ۲۸۔

یعنی تم میں سے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان سے ہدایت حاصل کرے جو ہم میں نہیں رہے، کیونکہ زندے فتنوں سے مامون نہیں ہو سکتے۔ وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں، جو اس امت کے سب سے افضل ترین لوگ تھے۔ پاکیزہ قلوب والے، گہرا علم والے اور بے تکلف ہستیاں تھیں۔ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے چنا۔ لہذا ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جتنا ہو سکے، ان کے عقیدے اور اخلاق و اطوار کو اپناؤ، کیونکہ وہ ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے۔

بعد میں عمر بن عبدالعزیز نے اس موقف کی پرزور تائید کی، ان کے علاوہ ابن قیم نے تفصیل سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی افضلیت کو ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب میں اس پر چھیا لیس دلائل دیئے۔<sup>۲۹</sup>

۴. سوادِ اعظم:

بعض علمائے کرام کے نزدیک ناجی فرقہ سے مراد سوادِ اعظم ہیں۔ یہ حضرات اپنی دلیل میں ان احادیث کو پیش کرتے ہیں، جس میں صراحۃً سوادِ اعظم کا لفظ مذکور ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے:

"عن أنس بن مالك رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم "إن أمتي لا تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم اختلافًا فعليكم بالسواد الأعظم".<sup>۳۰</sup>

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میری امت گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتی اور جب تم ان میں اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔

اس حوالے سے ایک اور حدیث وہی ہے جو حضرت ابو امامہ سے منقول ہے: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: افترقت بنو اسرائيل على إحدی وسبعین فرقة، ترید علیہا أمتی، کلها فی النار إلا السواد الأعظم".<sup>۳۱</sup>

یعنی بنی اسرائیل اے فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ان سے زیادہ فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں ماسوائے ایک کے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے اور وہ نجات والا فرقہ سوادِ اعظم ہوں گے۔

سوادِ اعظم کے لفظ کی تفسیر میں ابن منظور کہتے ہیں: "السواد انا اعظم جملة الناس و معظمتهم الذین یجتمعون علی طاعة السلطان وسلوک النج المستقیم".<sup>۳۲</sup> یعنی سوادِ اعظم سے مراد لوگوں کی وہ کثیر تعداد ہے جو سلطان کی اطاعت کے اندر رہتے ہوئے راہِ راست پر چلیں۔

شاطبی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: "فعلى هذا القول يدخل في الجماعة مجتهد والأمة وعلماءها وأهل الشريعة والعاملون بها، ومن سواهم داخلون حكمهم لأنهم تابعون لهم ومقتدون بهم، فكل من خرج عن جماعتهم فهم الذين شدوا، وهم نوبة الشيطان، ويدخل في هؤلاء جميع أهل البدع".<sup>۳۳</sup>

یعنی اس بنیاد پر جماعت کا لفظ علمائے امت، اہل شریعت اور علماء کی اقتداء کے اندر رہتے ہوئے شریعت پر عمل کرنے والے لوگوں کو شامل ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس جماعت سے نکل جائیں تو درحقیقت وہی انتہاء پسند اور شیطان کے پیروکار ہیں اور ان میں تمام اہل بدع شامل ہیں۔

### ۵. مجاہدین کی جماعت:

تجب کی بات یہ ہے کہ بہت ہی کم لوگوں نے جماعت سے مراد مجاہدین کی جماعت لی ہے۔ حالانکہ حدیث کے اندر یقاتلون کا لفظ چیخ چیخ کر اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ یہاں پر مجاہدین ہی اس حدیث کے مصداق ہیں۔ لیکن دوسری طرف امام بخاری اس حدیث کی تفسیر میں یقاتلون کی تفسیر اہل علم سے کرتے ہیں۔ ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : " لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَيَّ الْحَقِّ ، ظَاهِرِينَ عَلَيَّ مِنْ نَاوَاهُمْ ، حَتَّى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيحُ الدَّجَالُ " ۳۱

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ایسی ہوگی جو ہر زمانے میں حق پر قتال کرے گی اور اپنے مخالفین پر غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ ان میں آخری شخص دجال سے جنگ کرے گا۔

### ۶. روایات کا عمومی تجزیہ اور ترجیح:

درج بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ گمراہ فرقوں کی تعیین میں مسلمانوں کے مابین شدید قسم کا اختلاف ہے، لہذا اگر ان روایات کا موضوعی انداز میں مطالعہ کیا جائے تو لگتا ہے کہ ساری امت معاذ اللہ گمراہ ہو چکی ہے اور ان میں کوئی بھی راہِ حق پر نہیں، جو کہ ایک خلاف واقعہ بات ہے۔ اور ناجی فرقہ کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف کے ہوتے ہوئے کسی ایک کو ناجی قرار دینا بھی ایک کھٹن فیصلہ ہے، لہذا ہم ذیل میں تحقیقی اور محتاط انداز میں ان روایات کا عمومی تجزیہ کر کے کسی ترجیحی پہلو کو متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

احقر کی عاجزانہ رائے یہ ہے کہ متاخرین میں جو ایک تکفیری سوچ کی ارتقاء ہوئی تھی وہ قرن اول میں مکمل طور پر معدوم تھی، چنانچہ معمولی فروعی مسائل پر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے سے آج امت مسلمہ اس موڑ پر آ پہنچی کہ ان میں ناجی فرقہ کی تعیین کی ضرورت پڑ گئی، لیکن جب ہم قرون اولیٰ کی بات کرتے ہیں تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں تکفیری سوچ تقریباً معدوم تھی۔ خوارج کی تکفیر

میں متاخرین نے بہت ہی شدت سے کام لیا حالانکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا بارے میں پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں :

"أكفار هم؟ قال: من الكفر فروا، قيل: فمنافقون؟ قال: إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا، قيل: فما هم؟ قال: هم قوم أصابتهم فتنة وقاتلونا فقاتلناهم." ۳۰

یعنی حضرت علی سے پوچھا گیا، کیا وہ (خوراج) کافر ہیں؟ حضرت علی نے جواب دیا: وہ کفر ہی سے تو بھل گئے ہیں۔ پوچھا گیا: تو کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: کہ منافقین تو اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ پوچھا گیا؟ پھر وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ ایک جماعت ہے جو فتنے میں مبتلا ہو گئی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہم سے جھگڑا کیا تو ہم نے بھی ان سے جھگڑا کیا۔

اس رو سے جب ہم محققین حضرات کی عبارات کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ عموماً تکفیر کے معاملے میں بہت ہیں محتاط نظر آتے ہیں، صفی الدین بغدادی لکھتے ہیں :

"والحقیقة أنه لا یرد کل مکفر بدعته لأن کل طائفة تدعی أن مخالفیها مبتدعة، وقد تبلغ وتکفر مخالفیها فلو أخذ ذالک علی الإطلاق لاستلزم تکفیر جمیع الطوائف." ۳۱

یعنی حقیقت یہ ہے کہ ہر تکفیر کرنے والے کی بدعت کو بنیاد بنا کر اس پر رد نہ کیا جائے، کیونکہ ہر فرقہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مخالف فرقہ بدعتی ہے، چنانچہ اس میں مبالغہ ہو سکتا ہے اور بات تکفیر تک پہنچ سکتی ہے اور اگر اس بنیاد پر تکفیر کا سلسلہ شروع کیا جائے تو تمام گروہوں کی تکفیر ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے حوالے سے اپنے نظریات کی تصحیح کر لیں۔ اور یہ جان لیں کہ ان کے درمیان جنم لینے والا ہر فرقہ امت مسلمہ ہی کا ایک قسم ہے نہ کہ قسم اور ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے نہ کہ اسلام کے مقابلے میں ایک الگ ملت ہے۔ تاہم وہ لوگ ان سے ضرور مستثنیٰ ہیں جو اسلامی عقائد میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ روایات کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ جن لوگوں نے ناجی فرقہ کی تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے اس موضوع سے متعلق تمام نصوص کو سامنے نہیں رکھا، بلکہ ہر ایک نے بعض نصوص کو موضوع بحث بنایا، چنانچہ ان کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے کسی حد تک حق بات کہی ہے، تاہم مکمل بات نہیں کہی۔ افلاطون کے ہاں ان حضرات کی مثال یہ ہو سکتی ہے :

"إن الحق لم یصبہ الناس فی کل وجوہہ والخطأ فی کل وجوہہ بل إصاب کل إنسان جہیمہ ومثال ذالک عیامان انطلقوا الی فیل واخذ کل منہم جارح یمسہ وظنہا فیلا." ۳۲

یعنی حق کو کسی نے مکمل جہات سے نہیں پہچانا اور نہ ہی کسی نے باطل کو تمام جہات سے پہچانا بلکہ ہر انسان نے ان میں سے ایک جہت کو پایا۔ اس کی مثال ان اندھوں کی سی ہے، جنہوں نے ہاتھی کو ہاتھوں سے ٹٹولا اور ہر ایک نے ایک ایک عضو کو ہاتھ لگا کر اسی عضو کو ہاتھی سمجھ لیا۔

روایات کے اندر امت کا لفظ ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہے، اور متکلم ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ ہیں، تو اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری امت تفرقے میں پڑ جائے گی۔ اس وجہ سے علماء کے ہاں لفظِ امت کی تحدید میں اختلاف ہوا کہ یہاں پر امت سے مراد امت دعوت ہے یہ امت اجابت؟

اس حوالے سے قدیم علماء کی رائے یہ ہے کہ امت سے مراد امتِ اجابت یعنی امتِ مسلمہ ہی اس سے مراد ہے۔ جیسا کہ بیضاوی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔<sup>۳۸</sup> لیکن ظاہر ہے۔ اس توجیہ کی رو سے اکثر امتِ مسلمہ کا جہنمی ہونا لازم آتا ہے۔ اس وجہ سے معاصرین میں ایک محقق سقاف علی کاف کی تحقیق یہ ہے کہ امت سے مراد یہاں پر امت دعوت ہے۔ اور جہنمی وہ لوگ ہیں جنہیں اسلام کی دعوت پہنچی اور انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور ناجی فرقہ اس صورت میں امتِ مسلمہ قرار پائے گا۔<sup>۳۹</sup>

البتہ احقر کی عاجزانہ رائے یہ ہے کہ سقاف صاحب نے یہاں پر حقیقت سے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو یہود و نصاریٰ کا نذکرہ وہاں پر صراحت کے ساتھ موجود ہے، اب ان کو امت دعوت قرار دے کر امتِ مسلمہ کو ناجی قرار دینا یقیناً ایک شدید علمی تساح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دراصل مسئلہ یہاں پر امت کے تفرقے کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ حدیث کے اگلے جز میں وارد شدہ عبارت کے حوالے سے ہے، جو ان فرقوں کے انجام کی تحدید کرتا ہے، اور وہ زیادتی اکثر علماء کے ہاں ثابت بھی نہیں۔

گزشتہ اقوال کا اگر جائزہ لیا جائے تو جو لوگ اس فرقے سے مراد سوادِ اعظم لیتے ہیں تو ان کے نزدیک اختلاف کی صورت میں فیصلہ اکثریت کی حق میں ہو جاتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے، جب اسلامی دنیا پر عادل حکمران موجود ہو اور وہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرتا ہو۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور تھا۔ البتہ بعد کے ادوار میں مسلم حکمرانوں نے قرآن و سنت کو پس پشت ڈالا اور طاغوت پر اپنے فیصلے کرنے لگے۔ تو اس صورت میں اگر کثیر تعداد میں لوگ ان حکمرانوں کی حمایت پر کمر بستہ ہو بھی جائیں، تو انہیں سوادِ اعظم نہیں کہا جاسکتا۔ ابن کثیر کہتے ہیں:

"فأهل الحق هم أكثر الأمة ولا سيما في زمان الصدر الأول لا يكاد يوجد منهم من هو

على بدعة، وأما في الأعصار المتأخرة فلا يعدم الحق عصاة يقومون به".<sup>۴۰</sup>

یعنی اہل حق امت کی اکثریت ہے، خصوصاً صدرِ اول کے زمانے میں کہ جب ان میں سے کوئی بھی بدعت پر نہیں تھا۔ تاہم بعد کے زمانوں میں بھی ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصبیت، لسانیت اور اندھی تقلید کے اس دور میں اکثریت کو حق کے لیے معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ حق پر قائم جماعت چاہے وہ مٹھی بھر ہی کیوں نہ ہوں، سوادِ اعظم کملائے گی۔

جہاں تک اہل علم کی جماعت کا تعلق ہے تو یقیناً وہ اہل حل و عقد ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اور ان کے سینوں میں ایک عظیم امانت ہے، اس لحاظ سے وہ لوگوں کے مقتداء ہیں، لیکن معاملہ اس صورت میں بگڑتا ہے جب یہی علماء حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونے بن جائیں اور رحمن کی بجائے سلطان کی رضا کو ترجیح دینے لگے۔ تو کیا یہ اس وقت بھی ناجی کملائیں گے؟ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مثل أصحابي في أمتي كالملح في الطعام، لا يصلح الطعام إلا بالملح". قال الحسن: فقد

ذهب ملحنا، فكيف نصلح؟<sup>۴۱</sup>

یعنی میری امت میں میرے اصحاب کی مثال کھانے میں نمک کی طرح ہے، اور کھانا نمک ہی سے ٹھیک بنتا ہے۔ حضرت حسن اس حدیث کی ذیل میں فرماتے ہیں: ہمارا نمک ہی ختم ہو گیا تو ہم کیسے ٹھیک ہو جائیں۔ لہذا اس قسم کے علماء کو اہل علم کہنا ہی درست نہیں، چہ جائے کہ ہم انہیں جماعت کا مصداق قرار دیں۔

جہاں تک اہل حدیث کا تعلق ہے تو یقیناً ان کو اہل سنت کہنے پر ہمارا کوئی اعتراض نہیں، البتہ اہل سنت والجماعت کہنا یقیناً محل نظر ہے، کیونکہ اہل سنت والجماعت کی اصطلاح حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان خلافت کے معاملے میں صلح کے بعد رائج ہوا۔ اور اسی سال کو جماعت کا سال کہا جانے لگا۔ تو گویا اس وقت برسر اقتدار پارٹی کو جماعت اس لیے کہا گیا تاکہ اسے اپوزیشن سے جدا کیا جاسکے۔ جو اس وقت شیعوں اور خوارج کی صورت میں موجود تھی۔ چنانچہ برسر اقتدار طبقہ پورا اہل حدیث پر مشتمل نہیں تھا۔ چنانچہ عبدالقادر بغدادی کہتے ہیں:

"إن أهل السنة ثمانية أصناف فهم أهل الحديث والفقهاء وأهل التفسير واللغة والزهاد

والمرابطون في الثغور وأهل الكلام الذين تبرأوا من التشبيه والتعطيل".<sup>۴۲</sup>

یعنی اہل سنت کے آٹھ اصناف ہیں۔ جو کہ اہل حدیث، فقہاء، اہل تفسیر، اہل لغت، صوفیاء، مجاہدین اور وہ اہل کلام حضرات جو تشبیہ اور تعطیل سے بری ہیں۔

جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعلق ہے تو بلاشبہ صحابہ کرام کے زمانے کو خیر القرون کہا گیا ہے۔ اور یقیناً وہ روئے زمین کی سب سے بہترین جماعت ہے تاہم صحابہ کرام کو جماعت کہنے کا مطلب ان کے بعد آنے والوں کے لیے یہ دعوت ہے۔ کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلیں۔

جن لوگوں کے خیال میں جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایک حکمران کے ماتحت جمع ہوتے ہیں، تو یہ رائے باہمی قتل و قتل کے سد باب کے حوالے سے تو قابل قبول ہے، لیکن اس سے معاملہ سبھتا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ دراصل اختلاف کی وجہ صرف امامت نہیں ہے بلکہ بسا اوقات دیگر دینی اصولوں کے حوالے سے بھی امت کے مابین اختلاف ہوتا رہا ہے۔

حرفِ آخر:

درج بالا تفصیل کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ لفظِ جماعت کی تفسیر میں اختلاف ایک نوعی قسم کی ہے، اور اس میں حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات ضروری نہیں کہ ناجی فرقہ سے مراد کوئی خاص جماعت ہو، بلکہ ہر فرقے میں سے کچھ لوگ راہِ حق پر ہو سکتے ہیں اور ان کا مجموعہ ناجی فرقہ کہلائے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں:

"وقد ادعی کل قوم فی امامہم أنه المراد بهذا الحدیث، والظاهر۔ واللہ اعلم۔ أنه یعم جملة أهل العلم من کل طائفة، وکل صنف من أصناف العلماء، من مفسرین ومحدثین وفقہاء ونحاة ولغویین إلى غیر ذلک من الأصناف."<sup>۳۳</sup>

یعنی ہر فرقے نے یہ سمجھ لیا کہ حدیث سے مراد ان کا امام ہے۔ لیکن (واللہ اعلم) ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حدیث ہر جماعت کے اہل علم حضرات کو شامل ہے۔ اور مفسرین، محدثین، فقہاء، نحویین اور لغویین تمام کے تمام اس حدیث کا مصداق ہیں۔

اس رائے کی تائید نووی کے کلام سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"يجوز أن تكون الطائفة جماعة متعددة من أنواع الأمة مابین شجاع وبصير بالحرب، وفقهیه ومفسر ومحدث وقائم بالأمر بالمعروف والنهي عن المنکر وزاهد وعابد، ولا يلزم اجتماعهم

:بیلد واحد."<sup>۳۴</sup>



یعنی اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جماعت سے مراد امتِ مسلمہ کے مختلف کرداروں کے حامل افراد ہوں، بہادر اور جنگجو، فقیہ، مفسر، محدث، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا، زاہد، عبادت گزار سب اس کے مصداق ہوں، اور یہ بات بھی ضروری نہیں کہ وہ کسی ایک علاقے میں ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اختلافِ امت سے متعلق روایات بنی نوعِ انسان کے حوالے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت کو بتا رہی ہیں۔ کہ ہر زمانے میں کوئی بھی امت ایسی نہیں رہی جو اختلافات کا شکار نہ ہوئی ہو۔ چاہے وہ یہود ہوں، نصاریٰ ہوں یا امتِ مسلمہ ہوں۔

اس مطالعے کی روشنی میں یہ بات بھی اخذ کی جاسکتی ہے کہ امتِ مسلمہ کی بقاء دو چیزوں میں مضمر ہے: کلمہ توحید اور اتحاد و اتفاق نیز امت کے صفوں میں اتحاد و اتفاق کا قیام ایک عظیم دینی فریضہ ہے۔ مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ اصل میں مذموم اختلاف اصولی اختلاف ہے، جہاں تک فروعی اختلاف کا تعلق ہے تو اس کا وقوع کوئی نقصان دہ چیز نہیں۔

اختلافِ امت کے حوالے سے وارد روایات میں عدد کا مذکورہ کثرت کو بیان کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ حصر کو بیان کرنے کے لئے۔

مختلف اسلامی فرقوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان میں سے ہر ایک ناجی فرقہ ہے، درست نہیں۔ ہم قطعاً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جو شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں، سو فیصد غلط ہے۔ اور نہ ہم اہل سنت کے بارے میں قطعاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ سو فیصد درست ہیں۔ بلکہ ان سے بھی کسی جزیئے میں غلطی کا احتمال ہے۔

جب قرآن نے اہل کتاب سے متفقہ نکات پر مناقشے اور گفت و شنید پر زور دیا ہے تو اسلامی فرقوں کے مابین مناقشے اور ڈائیلگ کی فضاء بدرجہ اولیٰ قائم رہنی چاہیے۔ تاکہ ہم یہ ثابت کر سکیں کہ امتِ مسلمہ باوجود مختلف نقطہ ہائے نظر کے بہر حال ایک ہی امت ہے۔

## حوالہ جات

- ۱۔ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، ج۔ ۱۔ ص۔ ۴۷-۴۸<sup>۱</sup>
- ۲۔ الجامع الصحیح۔ ابواب الایمان، باب افتراق ہذہ الامة، ۲۷۷-۲۷۹
- ۳۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد و کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، ۲۵۹-۲۶۰
- ۴۔ ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، ۳۹۹۲

۵. ابن ماجہ، مرجع سابق، ۳۹۹۳
۶. حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، ج-۱، ص-۲۱۷-۲۱۸
۷. جمعہ، عبد الرحمن بن محمد النجدی، مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، ج-۳، ص-۳۴۷، دار عالم الکتب، الرياض، ۱۹۹۱م
۸. ابن کثیر الدمشقی، النہایہ فی الفتن والملاحم، تحقیق، محمد احمد عبدالعزیز، ج-۱، ص-۳۵-۳۶
۹. الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، ج-۲۲، ص-۲۱۹
۱۰. بدوی، عبد الرحمن، مذاہب الاسلامیین، ج-۱، ص-۳۳، دار العلم للملایین، ۱۹۹۸
۱۱. ابن الجوزی، ابوالفرج الرحمن بن علی، الموضوعات، تحقیق: محمود القیس، ج-۱، ص-۳۶۸، مؤسسة النداء، ابوظہبی، ۲۰۰۳-
۱۲. القرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ج-۱۳، ص-۱۳۰
۱۳. الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، ج-۲۳، ص: ۱۰۴
۱۴. الشہرستانی، الملل والنحل، ج-۱، ص-۲۸، مکتبہ ومطبعہ محمد علی صبیح، القاہرہ، ۱۹۹۹
۱۵. ابو منصور، عبدالقادر بن طاہر البغدادی، الفرق بین الفرق، تحقیق: محمد زاہد کوشری، ص-۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۶۷ھ-
۱۶. ابوالمظفر، اسفراہنی، التبصیر فی الدین وتمییز الفرق الناجیہ من الفرق الباطنیہ، ص-۲۲-۲۳، المکتبۃ الأثریہ، القاہرہ، ۱۹۹۹
۱۷. سورۃ التوبۃ: ۸
۱۸. سورۃ الحجۃ: ۳۲
۱۹. البقرۃ: ۲۶۱
۲۰. ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ۲۲۷۴
۲۱. البخاری، صحیح البخاری، باب امور الایمان، ج-۱، ص-۸
۲۲. السلاوی، سلیم بن قیس، کتاب سلیم بن قیس، تحقیق، محمد باقر خوینی، ص-۱۶۹، ایران، ۱۹۹۷
۲۳. بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج-۸، ص-۱۴۹
۲۴. ابو حامد، الغزالی، المنحول من تعلیقات الأصول، ج-۱، ص-۳۰۳، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۰
۲۵. السبکی، علی بن عبدالکافی، الایہاج فی شرح المنہاج، ج-۲، ص-۳۸۹، مکتبۃ الکلیات الأثریہ، القاہرہ،

- ۲۶۔ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الأئمة المضلین، ۲۲۲۹
- ۱۲ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج-۳، ص-۳۲۷
- ۲۸۔ ابن ابی العز، شرح العقیدة الصحابیة، ص-۲۳۲
- ۲۹۔ ابو عبد اللہ، محمد بن ابو بکر بن القیم اعلام الموقعین عن رب العالمین، ج-۳، ص-۱۲۳، مکتبۃ الکلیات  
الآثریة، ۱۹۶۸
- ۳۰۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ۳۹۵۰
- ۳۱۔ الطبرانی، المعجم الکبیر، ج-۸، ص-۲۷۲
- ۳۲۔ ابن منظور، لسان العرب، مادة (سود)، والجزری، ابن الأثیر، النہایة فی غریب الحدیث والاثار، ج-۲، ص-  
۳۷۷، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۹۹۷، والزبیدی، تاج العروس فی جواهر القاموس، ج-۸، ص-۲۲۸،  
دار الہدیة للطباعة والنشر، والتوزیع، بیروت، ۱۹۹۹
- ۳۳۔ الشاطی، ابراہیم بن موسی، الاعتصام، ص-۲۶۰-۲۶۱، المکتبۃ التجاریة الکبری، القاہرہ، ۱۹۹۵
- ۳۴۔ ابو داود، سنن ابو داود، ۲۱۲۸
- ۳۵۔ عبد الرزاق، مصنف عبد الرزاق، ج-۱۰، ص-۱۵۰
- ۳۶۔ بغدادی، صفی الدین، قواعد الاصول ومعاقد الفصول، تحقیق: احمد محمد شاکر، ص-۲۵۶ عالم الکتب،  
بیروت، ۱۹۸۶
- ۳۷۔ ابو زہرہ، محمد، تاریخ المذاهب الاسلامیة، ص-۷-۸، دار الفکر العربی، القاہرہ، ۱۹۹۱
- ۳۸۔ المناوی، فیض القدر، ج-۶، ص-۳۹۶
- ۳۹۔ سقاف علی الکاف، حقیقة الفرقۃ الناجیة، ص-۹۲، ۹۳، دار العلم، القاہرہ، ۱۹۹۹
- ۴۰۔ ابن کثیر، النہایة فی الفتن والملاحم، ج-۱، ص-۳۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۲
- ۴۱۔ الطیبی، شرح الطیبی علی مشکاة المصابیح، ج-۱۲، ص-۳۸۳۵، دار الکتب الکبری، القاہرہ، ۱۹۹۸
- ۴۲۔ بغدادی، عبد القاہر، الفرق بین الفرق، ص-۳۰۰-۳۰۳، مرتفصیلہ
- ۴۳۔ ابن کثیر، النہایة فی الفتن والملاحم، ج-۱، ص-۳۹
- ۴۴۔ المناوی، فیض القدر، ج-۶، ص-۳۹۶